تصوف میں سلسلہ چشتیہ کا تعارف اور خصوصیات

(Introduction and Characteristics of the Chishtia Chain in Sufism)

*ڈاکٹر محمد جمیل

"Tasawuf" is the name of a spiritual system of Islam. By which one offers his submissions (Namaz, Roza, Hajj, Zakat) according to the Quran and Sunnah by the core of heart and takes cares of others man's right i.e. creature's service, to treat the people with good behavior and to prefer others on ourselves. Likewise, which practices and drills are done in Tasawuf, there means also that to remove the curtains of negligence from the heart, and man can get recognization of himself, by which he can get the will and closeness of Allah Almighty. For this purpose, so many chains came into being in Tasawuf. Among them, one is the "Chishtia" Which is associated with Hazrat Ali (R.A). The founder of this chan is Khwaja Abu Ishaq Shami. In the sub-continent, the proclamation of this chain owes to Hazrat Khwaja Moeen-ud-din Chishti Ajmeri, Hazrat Khwaja Qutab-ud-din Bukhtyar Kaki, and Hazrat Farid-ud-din Ganj Shakar. As the matter is about the preachings and the proclamation of Islam in the sub-continent, these Chishti saints played a very important role. Countless people embraced Islam by the effect of the preaching of these saints, and many Muslims reformed themselves. In this article, the introduction and characteristics of this Chishti Chain have discussed negligence.

Key Words: *Tasawuf, Chichtia, Moeen ud Din, Tazkia, Purity.*

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی رحمت و شفقت سے صرف پیدا ہی نہیں فرمایا بلکہ صحیح اور غلط راستے بھی اس کے سامنے متعین کر دیے ہیں تا کہ وہ اپنی زندگی اطاعت الٰہی و شریعت اسلامی کے تحت گزارے اور دنیوی و آخری فلاح کا مستحق بن سکے مگر چونکہ انسان طبعاً کمزور اور بھولنے والا پیدا ہوا ہے اس لیے بار بار راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی، گمراہ لوگوں کی ہدایت اور پیغام حق کی تبلیغ کے لیے مختلف ادوار میں اس روئے زمین پر اپنے انبیاء

* لیکچرار گورنمنٹ علامہ اقبال پوسٹ گریجویٹ کالج سیالکوٹ

کرام کو مبعوث فرمایا، نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا اور شریعتیں اور کتابیں نازل فرمائیں تا کہ انسانوں کی اصلاح و تربیت کا عمل ممکن ہو سکے۔ اسلام وہ آفتاب درخشاں ہے جس نے مطلع عالم پر طلوع ہو کر ہر قسم کی تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ اس دین قیم کی تبلیغ و اشاعت بڑا اہم فریضہ ہے جو امت محمدیہ کو سونپا گیا ہے اور امت محمدیہ کو بہترین امت ہی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اسے تبلیغ و اشاعت دین کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ لہذا ایک ایسا گروہ تیار کرنا پوری امت کا اجتماعی فریضہ ہے، جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن اور قول و فعل آقائے دو جہان، سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا عکس جمیل ہو، جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صوفیاء کرام کا ایک گروہ ملتا ہے جو دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا نہایت مقدس فریضہ سمجھتے اور اسے سرانجام دینے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے تھے اس کوشش میں صوفیاء کے کئی گروہ وجود میں آئے جن میں سے ایک۔"سلسلہ چشتیہ" ہے۔

سلسلہ چشتیہ کا آغاز امیر المومنین حضرت علی سے ہوتا ہے۔ مشہور روایات کے مطابق حضرت علی نے حضرت خواجہ حسن بصری کو خرقہ خلافت عطا کیا۔ حضرت خواجہ حسن بصری کو برصغیر پاک وہند کے بیشتر لوگ محض ایک صوفی بزرگ کی حیثیت سے جانتے ہیں مگر جن کی نگاہیں تاریخ آشنا ہیں وہ اس راز سے بھی واقف ہیں کہ حضرت حسن بصری ایک عظیم محدث تھے اور درجہ امامت پر اس طرح فائز تھے کہ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے سلسلہ چشتیہ کو دنیا میں فروغ حاصل ہوا۔ اور جب آپ ۴ محرم ۱۱۱ھ / ۷ اپریل ۷۲۹ء[۱] کو اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے حضرت شیخ عبدالواحد بن زید کو خرقہ خلافت عطا کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اس عظیم امانت کی حفاظت کرنا ورنہ بروز حشر اللہ کے سامنے بڑے شرم سار ہو گے۔ حضرت شیخ عبدالواحد بن زید ۱۷۷ھ / ۷۹۳ء میں دنیا سے رخصت ہوئے تو سلسلہ چشتیہ کی یہ امانت حضرت فضیل بن عیاض کو منتقل ہو گئی۔ پھر ۱۸۷ھ / ۸۰۳ء میں یہ شہنشاہ معرفت زیر خاک سو گیا مگر جانے سے پہلے خرقہ خلافت حضرت ابراہیم بن ادھم کو منتقل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو وفات سے چند روز پہلے آپ نے حضرت حذیقہ مرعشی کو خرقہ خلافت پہنایا۔ حضرت حذیقہ مرعشی نے پیران چشت کا خرقہ حضرت ہبیرہ بصری کو منتقل کیا اور عالم خاکی سے عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت ہبیرہ بصری نے سلسلہ چشتیہ کی یہ امانت حضرت شیخ ممشاد علو دینوری کے سپرد کی اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے شیخ ممشاد علو دینوری نے وفات سے قبل پیران چشت سے حاصل کردہ روشنی حضرت ابو اسحاق شامی کو منتقل کر دی۔[۲] پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ چشتی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔[۳]

سلسلہ کی وجہ تسمیہ:

اس سلسلہ کو چشتی کہنے کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ کے بانی (سلسلہ چشتیہ کی نسبت جن کی طرف کی جاتی ہے) خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں۔ آپ خراسان کے ایک مشہور شہر "چشت" میں پیدا ہوئے جہاں آپ کی قیادت میں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا جسے بعد میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور وہ روحانی نظام ہی مقام کی نسبت سے "چشتیہ" کہلانے لگا اور جہاں سے جو شخص تربیت پا کر جاتا وہ "چشتی" کہلاتا تھا۔[۴]

سلسلہ چشتیہ کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابو اسحاق شامی نے جب کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا ارادہ کیا تو چالیس روز متواتر استخارہ کیا۔ غیب سے آواز آئی کہ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ ہدایت پا کر آپ بغداد پہنچے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری نے آپ سے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" خواجہ ابو اسحاق نے عرض کیا" ابو اسحاق شامی' حضرت خواجہ نے فرمایا، آج سے لوگ تم کو ابو اسحاق چشتی کہیں گے۔ چشت کی مخلوق تم سے ہدایت پائے گی اور جو لوگ تمہارے سلسلہ میں داخل ہوں گے "چشتی" کہلائیں گے۔[۵]

کہتے ہیں کہ ایران اور افغانستان کے بعض علاقوں میں طلوع اسلام کے بعد بھی آتش پرستی جاری رہی۔ چنانچہ بعض اہل اللہ نے آتش پرستوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی تاکہ انہیں گمراہی کی دلدل سے نکال کر دین حق میں لایا جائے ان مردان حق کی جدوجہد سے بے شمار آتش پرست مشرف با اسلام ہوگئے۔ یہ لوگ اپنے شیوخ کو (جن کی بدولت انہیں ہدایت نصیب ہوئی) ازراہ احترام "چشتی" کہنے لگے۔ "چشتی" آتش پرستوں کے معبود کا اسم صفت ہے اور اس کے معنی ہیں "عرفان الٰہی" اسی نسبت سے ان بزرگوں کے خلفاء اور مرید بھی "چشتی" کے لقب سے مشہور ہوگئے۔[٦]

برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کی آمد:

چشتیہ سلسلے کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا اور محمود غزنوی کے حملوں کے دوران اس روایت کے بہت سے علمبردار بزرگ پنجاب میں آکر بس گئے۔[۷] تاہم اس سلسلے کا باقاعدہ آغاز حضرت معین الدین اجمیری سے ہوا اور اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں اس مکتب فکر کو بہت زیادہ ثقافتی، سیاسی اور روحانی اہمیت حاصل ہوگئی۔[۸]

پروفیسر لطیف اللہ کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اپنے شیخ خواجہ عثمان ہرونی کے حکم کے مطابق وارد ہند ہوئے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنایا۔[۹]

An Introduction to the History of Sufism میں لکھا ہے:

"It was introduced into India in 1192 by Khawajah Muinal-Din-Chishti of Sistan."[10]

"اسے (سلسلہ چشتیہ) کو خواجہ معین الدین چشتی نے ۱۱۹۲ء میں ہندوستان میں متعارف کروایا۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں کہ "آپ (حضرت معین الدین اجمیری) برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے مشائخ کے سر حلقہ اور سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں۔"[۱۱] جبکہ عظمت ناز کے مطابق آپ کو ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا سردار مانا جاتا ہے۔[۱۲]

اس زمانے میں یہاں رائے پتھورا (پرتھوی راج) کی حکومت تھی۔ اس نے حضرت خواجہ کی راہ میں بہت مشکلات پیدا کیں۔ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر بے شمار مظالم کیے لیکن آپ اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے نامساعد حالات کو برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ شہاب الدین محمد غوری نے رائے پتھورا کو شکست دے کر ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کی۔ اس دوران یہ صوفیانہ دبستان کافی مقبول ہو چکا تھا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کے مخصوص سماجی حالات میں جہاں رقص و موسیقی مذہب کا حصہ تھا، چشتیہ بزرگ نہ صرف رقص و سماع کی اجازت دیتے تھے بلکہ سماع و موسیقی کو مسجد میں بیٹھ کر سننا بھی جائز قرار دیتے تھے۔[۱۳]

پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں" کا مصنف لکھتا ہے:

"حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے برصغیر پاک و ہند میں آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ یہاں تشریف لا چکے تھے لیکن حقیقت میں صحیح معنیٰ میں یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ صاحب کے ذریعہ ہی جاری ہوا اور اس کو فروغ حاصل ہوا۔"[۱۴]

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے مرکز کفر میں "چشتیہ سلسلہ" کا جو پودا لگایا تھا اس نے بڑے برگ و بار دیے اور چند برسوں میں برصغیر کے اِس سرے سے اُس سرے تک اس کا اثر و نفوذ پھیلتا چلا گیا۔

"سیر الاولیاء" کے مؤلف نے آپ کو "نائب رسول اللہ فی الہند" لکھا ہے۔

"حضرت معین الدین اجمیری کے بعد چشتیہ سلسلے کی قیادت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حصے میں آئی جنہوں نے دہلی کو اپنا مرکز بنایا۔"[۱۵]

پروفیسر خلیق احمد نظامی رقمطراز ہیں:

"خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کو پھیلانے کی کوشش کی اور مدت العمر اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر سختی سے عامل رہے۔"[۱۶]

چشتیہ مکتب فکر کی مرکزی قیادت خواجہ بختیار کاکی کے بعد بابا فرید گنج شکر کو ملی۔ بابا فرید دارالسلطنت دہلی کو خیر باد کہہ کر پنجاب میں اجودھن (پاکپتن) آ گئے جہاں انہوں نے چشتیہ تعلیمات کو پنجاب اور شمالی ہندوستان کے گوشے

گوشے میں پھیلا دیا۔ ان کی پاک باطنی، روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندی خلق نے چشتیہ سلسلے کی مقبولیت کو چار چاند لگا دیئے اور ان کے ذریعے چشتیہ نظام اصلاح و تربیت نے ایک مستقل ادارہ کی شکل اختیار کرلی۔ وہ نامساعد حالات میں لوگوں کو حق پر قائم رہنے کی اور خدا تعالیٰ سے سچی وابستگی پیدا کرنے کی تلقین کرتے اور اس کے وجود کو حاضر ناظر جان کر اپنی زندگی کو سنوارنے اور حق کو باطل سے علیحدہ شناخت کرنے کی اہمیت پر زور دیتے۔ بابا فرید مذہب کی ظاہری رسومات، ظاہر داری اور منافقت کے خلاف تھے۔ ان کی نظر میں ایسی عبادت، تسبیح، مصلیٰ، حج اور جسمانی پاکیزگی جو انسان میں محبت، ہمدردی اور خلوص پیدا نہ کرسکے، بے فائدہ ہیں۔[۱۷] آپ کے مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا جس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرادیں۔

حضرت بابا فرید کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کو معراج کمال تک پہنچایا۔ نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی، ملک کے گوشتہ گوشہ سے لوگ پروانوں کی طرح وہاں جمع ہوتے تھے اور عشق الٰہی کی تپش اور خدمت خلق کا جذبہ لے کر واپس جاتے تھے۔[۱۸]

حضرت خواجہ نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور ان سے توبہ کراتے تھے۔ سب مرید خود کو حضرت خواجہ کا مرید اور خادم سمجھتے تھے۔ اس لیے ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ خوب پھیلا اور ملک کے ہر حصہ پر پہنچ گیا۔ تقریباً پچاس سال تک انسانی دلوں نے اس طرح ان کی خانقاہ میں راحت و سکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر تمازتِ آفتاب سے خستہ جان، ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔[۱۹] حضرت نظام الدین کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امیر و غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی، بوڑھے اور بچے سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[۲۰] آپ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کے اثرات ہندوستان کے ہر ہر حصہ میں پہنچ گئے۔ "گلزار ابرار" میں لکھا ہے:

> "ان ایّام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا۔ کیونکہ آپ کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، اُن کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا"۔[۲۱]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے سنبھالا۔ حضرت میں اپنے پیر و مرشد شیخ نظام الدین کی بہت سی خوبیاں موجود تھیں۔ صاحب "سیر الاولیاء" لکھتے ہیں۔

> "جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں آتی تھی، ویسی ہی خوشبو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس سے کاتب حروف کے مشام جان تک پہنچتی ہے۔"[۲۲]

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کو اپنے سلسلہ کا کام انتہائی مشکل حالات میں کرنا پڑا کیونکہ اس دور میں ملک کے سیاسی حالات تبدیل ہو رہے تھے اور حکمرانوں کے مذہبی رجحانات بھی بدل رہے تھے۔ ایسے دور میں روحانی نظام کو چلانے کے لیے بڑی فکری اور عملی صلاحیتیں درکار تھیں۔ حضرت چراغ دہلی ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہمت و استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے۔ باد مخالف کے بہت سے تیز و تند جھونکے آئے اور سلطان وقت محمد بن تغلق نے انہیں طرح طرح سے پریشان بھی کیا لیکن آپ نے اپنے مشن کو جاری رکھا۔[۲۳]

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا تھا اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہو گئیں تھیں۔ حضرت سید محمد گیسو دراز، حضرت نور قطب عالم، علامہ کمال الدین اور دیگر مشاہیر نے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی تھی۔ لیکن سلسلہ کو ایک ''کل ہند ادارہ'' کی حیثیت سے زندہ نہ کر سکے تھے۔ مرکزیت کے فنا ہو جانے سے سلسلہ کے نظام کی اساس و بنیاد ہی بدل گئی تھی۔ حضرت شاہ کلیم اللہ نے سلسلہ چشتیہ کے بے ترتیب نظام میں ایک بار پھر باقاعدگی پیدا کی اور متقدمین صوفیہ کی نہج پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے ملک کے دور دراز علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے اور ان کے ذریعے ایک گرتی ہوئی سوسائٹی کو انتشار و ابتری سے بچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ کی نشاۃ ثانیہ حضرت شاہ کلیم اللہ کی وجہ سے ہوئی۔[۲۴]

سلسلہ چشتیہ کی خصوصیات

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ذریعے رائج ہوا اور مختلف علاقوں میں پھیل گیا۔ بے شمار لوگ آپ کی شخصیت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر شرف بہ اسلام ہوئے اور کئی مسلمان راہ راست پر آئے۔ اگرچہ آپ کی آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ برصغیر میں تشریف لا چکے تھے لیکن حقیقت میں یہ سلسلہ برصغیر میں حضرت خواجہ کے ذریعہ ہی جاری ہوا اور اس کو فروغ حاصل ہوا۔

چشتی بزرگوں کی تبلیغ اور تعلیم کی وجہ سے لوگ مسلمان ہونے لگے اور ان کی رشد و ہدایت سے کفر کا اندھیرا دور ہونے لگا۔ گمراہیاں ختم ہونے لگیں، اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق اور تمیز سے انسانوں کو نجات ملنے لگی۔ انسان اپنے شرف اور شان احترام انسانیت سے روشناس ہوا۔ ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہوا اور ایک صالح اور صحت مند معاشرہ وجود میں آیا۔ چشتی بزرگوں کی محنت سے لوگوں کو خود شناسی اور خدا شناسی کا عرفان حاصل ہوا اور ایک تاریک دور کا خاتمہ ہوا اور اس معاشرے پر کاری ضرب لگی جس کی بنیاد انسانیت سوز روایات، حیا سوزی، انسانی قربانی اور طبقاتی تقسیم پر رکھی ہوئی تھی۔ اس مقصد کے لیے صوفیائے کرام نے خانقاہیں قائم کیں جہاں لوگوں کے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر خانقاہی نظام پر تبصرہ فرماتے ہیں:

''خانقاہی نظام اس اعتبار سے ایک عالمگیر جمالیاتی، انقلابی تحریک ہے کہ اس کا مقصد تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے ذریعے افراد نسل انسانی کی کایا پلٹ دینا ہے۔''[۲۵]

جبکہ عبد الغفور غوری کے نزدیک:

''اگر صوفیہ باطنی اصلاح و تربیت، تزکیہ نفس اور عبادات پر توجہ نہ دلاتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن جاتا۔''[۲۶]

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ دراصل سلسلہ چشتیہ میں کئی ایسی خصوصیات تھیں جن کے لیے برصغیر کے حالات خاص طور پر ساز گار تھے۔ ان میں سے چند خصوصیات کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

1. اخلاقی اقدار:

مشائخ چشت کے اصلاحی پروگرام کا مرکزی نقطہ محور تعلیم اخلاقی تھا۔ وہ اس کو کار نبوی سمجھتے تھے اور دن رات اسی کوشش میں رہتے تھے کہ انسان کے اخلاق ذمیمہ کو دور کر کے اس کی شخصیت کو جلا دی جائے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی، حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کی خانقاہ میں انسانی دلوں نے اس طرح راحت و سکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا تمازت آفتاب سے خستہ جان اور ٹھنڈے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ ان کا مقصد عوام کے ذریعے کوئی سیاسی انقلاب لانا نہ تھا بلکہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بندگان خدا کی خدمت اور ان میں اخلاقی و روحانی انقلاب پیدا کر کے اسلام کی اساسی اقدار کی حفاظت مقصود تھی۔"[۲۷]

سلسلہ چشتیہ کی بڑی خصوصیت اور امتیازی شان یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلامی تعلیم کی تنظیم و تبلیغ کی بنیاد ہندوستان میں اسی کے ذریعہ ہوئی کہ اس زمانہ میں قرآنی علوم کی پوری قوت کے ساتھ چھان بین کی جا چکی تھی۔ حدیثوں کی تنقیح ہو چکی تھی۔ فقہ کے اصول ضبط کر لیے گئے تھے اور دماغی ورزشوں کے لیے عقلی و ادبی علوم کے دروازے کھل چکے تھے۔ لہٰذا ہندوستان میں چشتیوں نے سارا زور عمل و اخلاق پر صرف کیا۔ یہی ان کی تعلیم کا لب لباب ہے اور یہی ان کی بالغ نظری کا ثبوت ہے جس کی وجہ سے ولایت ہند کی روحانی تربیت ان کے سپرد ہوئی۔[۲۸]

2. نسبت عشق:

سلسلہ چشتیہ کی ایک خصوصیت ''نسبت عشق'' کا فروغ ہے جس کو وہ ذکر مفرد کی کثرت اور تصور ذات کے انہماک سے حاصل کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین کے دور مبارک میں مکارم اخلاق اور نسبت عشق کی تجلیات نے تاریک دلوں میں اجالا کیا۔ ماضی قریب میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور چمن چشت کے دیگر بزرگوں نے جمال احسان کو سلف صالحین کے انداز میں پیش کیا اور امانت عشق کو سینہ بہ سینہ منتقل فرماتے رہے۔ آج بھی ان بزرگوں کے جانشین اور خلفا اپنے اسلاف کے مانند نفوس کی اصلاح تزکیہ میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

پروفیسر لطیف اللہ لکھتے ہیں:

"سلسلہ چشتیہ کا اختصاص "نسبت عشق" کا فروغ ہے جس کو وہ ذکر مفرد کی کثرت اور تصور ذات کے انہماک سے حاصل کرتے ہیں۔"[۲۹]

سید نور الحسن خان اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں:

"بزرگان چشتیہ میں خاص نسبت علوی کا ظہور ہے اور فیض عینیت کہ علی منی و انا منہ اس سے عبارت ہے اور اس طریقے میں بہت ہے اور فنا فی الشیخ کا یہی منشا ہے اور آپ کی نسبت عیسوی تھی تو اس نفخت فیہ من روحی کی مناسبت ہے کہ چشتیہ کا درد بے سماع آرام پذیر نہیں ہوتا۔"[۳۰]

سلسلہ چشتیہ کے اسی وصف کا ذکر کرتے ہوئے کپتان واحد بخش سیال رقمطراز ہیں:

"ویسے تو برصغیر میں دیگر سلاسل مثلاً سلسلہ عالیہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے بزرگان دین نے بھی کافی لوگوں کی ہدایت و اصلاح میں حصہ لیا لیکن دراصل یہ ملک چشتیوں کا ورثہ ہے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کو برصغیر میں جو عدیم المثال کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ اسی کا حصہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت چشتیہ یعنی شدید نسبت عشقیہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔"[۳۱]

3. سماع کا رواج:

سماع اہل لغت کے مطابق مصدر ہے جس کے معنیٰ سننے کے ہیں۔[۳۲] لیکن اصطلاح میں اچھی آواز، سرور، وجد و حال اور سرور و رقص کے بھی ہیں۔ اسے غنا بھی کہتے ہیں اور موسیقی بھی۔[۳۳] سماع فتح سے یعنی زبر سے سننے کے معنی میں ہے اور کسرہ سے یعنی زیر سے فارسی زبان میں سرور و نغمہ کے ہیں۔[۳۴] سماع ایک کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے دل پر وارد ہوتی ہے۔ دل کو احوال غیب بتاتی ہے اور عہد ازل "الست بربکم" کی یاد دلاتی ہے۔[۳۵] صوفیہ سماع کو رقص روح بھی کہتے ہیں۔ وہ رقص جو انسان کی روح کو ہویت حقیقت کی فضا میں پہنچا دیتی ہے۔

صوفیہ میں سماع کا آغاز تیسری صدی ہجری سے ہوا۔ سماع اسلام میں متنازعہ فیہ ہے۔ کچھ فقہاء سماع کو حرام کہتے ہیں، کچھ بدعت سمجھتے ہیں اور کچھ جائز خیال کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گانا یا سماع حرام ہے، امام مالک بھی سماع

یا غنا کو حرام کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک سماع یا غنا مطلقاً حرام نہیں، شعیہ فقہ میں بھی کچھ فقہا سماع کو حرام سمجھتے ہیں اور کچھ فقہاء چند شرائط کے ساتھ حلال کہتے ہیں۔[۳۶]

سید علی ہمدانی فرماتے ہیں:

"سماع ایک کیفیت ہے جو بغیر اختیار کے شدت جذبات سے پیدا ہوتی ہے اور ایک آگ ہے جو سوزِ عشق اور محبت الٰہی کو تیز تر اور شعلہ ور بنا دیتی ہے۔ سماع در حقیقت عشق سے وابستہ ہے اور عشق میں منطقی دلیل نہیں چلتی"۔[۳۷]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

"سماع ایک موزوں آواز ہے اور موزوں آواز حرام کیسے ہو سکتی ہے، البتہ یہ ہے کہ سماع علی الاطلاق یعنی کلی طور پر نہ حلال ہے اور نہ حرام۔"[۳۸]

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی سماع سے دلچسپی رہی اور بڑے ذوق و شوق سے سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے۔ علماء نے اس وجہ سے ان کی مخالفت بھی کی، لیکن یہ بزرگ اس طریقہ پر قائم رہے اور سماع کو اپنے طریقہ کا جز قرار دیا اور اسلامی تعلیمات کی رو سے بھی اس کو مباح جانا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی حضرت نظام الدین اولیاء کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سماع کے دلدادہ تھے۔"[۳۹]

ذیل میں چشتی بزرگوں کے ذوق و سماع کا ذکر کیا جائے گا۔ اس ضمن میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں:

"سماع میں کچھ ایسا ذوق ہے کہ مجھے کسی چیز میں لطف نہیں آتا، جتنا سماع میں آتا ہے۔ صاحب طریقت اور مشتاق حقیقت لوگوں کو سماع میں اس قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بدن میں آگ لگ اٹھتی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو لقا کیا ہوتا اور لقا کا لطف ہی کیا ہوتا۔"[۴۰]

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سماع سے متعلق فرماتے ہیں:

"اہل سماع میں جو بے ہوش ہو جاتا ہے وہ اسی الست بربکم کی ندا کی بدولت بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔ یہ وہی بے ہوشی ہے جو اس روز سے پائی جاتی ہے جونہی دوست کا نام سنتے ہیں، حرکت، حیرت، ذوق اور بے ہوشی ان پر طاری ہو جاتی ہے یہ سب کچھ معرفت کی بدولت ہے۔"[۴۱]

حضرت نظام الدین اولیاء نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی سماع کی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے کہ:

”ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی حاضر خدمت تھے۔ حکم ہوا سماع شروع کرو! جب سماع شروع ہوا تو حضرت بابا فرید اپنی جگہ سے اٹھے اور رقص کرنے لگے چنانچہ سات دن اور رات رقص کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز ادا کر کے پھر سماع میں مشغول ہو جاتے۔“[۴۲]

ڈاکٹر سندھی نے حضرت نظام الدین اولیاء کی تعلیمات سماع کا خلاصہ پیش کیا ہے:

"سماع آواز کی ایک موزوں صورت ہے۔ اس لیے حرام نہیں ہے۔ اسی سے تحریک قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ تحریک یاد حق کے لیے ہے تو مستحب ہے۔ اگر فساد کی طرف مائل ہو تو حرام ہے۔ سماع میں تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں: انوار، احوال اور آثار۔ تین عالم سے یہ سعادتیں نازل ہوتی ہیں: ملک، جبروت اور ملکوت۔ تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں: ارواح، قلوب اور جوارح۔ انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال، عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملکوت سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں۔ پہلے انوار، پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ آثار کے نزول سے جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔"[۴۳]

حضرت نظام الدین اولیاء نے سماع سے متعلق کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے کہ اگر ان کا خیال رکھا جائے تو سماع جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

1. سماع سننے والا مرد ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔
2. جو شعر سنا جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو۔
3. سننے والا صرف خدا کے لیے سنے۔
4. آلات سماع، مثلاً چنگ، رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں۔ محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔[۴۴]

5. خدمت خلق:

سلسلہ چشتیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے خدمت خلق پر زور دیا ہے۔ چشتیہ بزرگوں کے نزدیک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب خدمت خلق کے بغیر ممکن نہیں۔ پروفیسر خلیق نظامی نے سلسلہ چشتیہ کے تبلیغی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”خدمت خلق کا جذبہ معلم اخلاق کے فکر و عمل کا جز لائینفک بن جانا چاہیے۔ اس کے کسی عمل میں ظاہر داری، تصنع یا آورد کی آمیزش نہیں ہونی چاہیے۔ اس کو خلق اللہ کی خدمت کے ذریعے

رضا الٰہی تلاش کرنی چاہیے اس لیے کہ دین کا اعلیٰ ترین مقصد خدمت خلق اور شکستہ دلوں کی دل داری ہے۔"[۴۵]

خدمت خلق کے سلسلہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی فرماتے ہیں:

"اس مسلمان سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے جو دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرتا ہے۔ اس کی جگہ جنت ہے۔ وہ شخص جو دوسرے کی عزت کرتا ہے اللہ اس کے گناہ بخش کر جنت میں اس کا ٹھکانہ بناتا ہے۔ اگر کوئی کسی کی جوتی ہی سیدھی کردے یا اس کے پائوں سے کانٹا نکال دے تو اس کا شمار اللہ تعالیٰ شہیدوں اور صدیقوں میں کرتا ہے۔

مزید فرمایا:

مشائخ طبقات اور اولیاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اوراد اور عبادت میں مشغول ہو اور اس دوران اس کے پاس کوئی حاجت مند آجائے تو اسے لازم ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کی خدمت میں مشغول ہو جائے اور جس قدر ممکن ہوسکے اس کے کام میں کوشش کرے۔"[۴۶]

ڈاکٹر عزیر عباس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"آپ نے حقوق اللہ کا لازمی عبادت اور حقوق العباد کو متعدی عبادت کا نام دیا ہے۔ انسان کو مخلوق خدا کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آنا اور خدمت خلق کرنا عبادت ہے۔ طریقت یا تصوف مصلیٰ پر بیٹھنے، تسبیح کرنے یا موٹا جوتا پہن لینے کا نام نہیں ہے بلکہ طریقت یا تصوف خدمت خلق کا نام ہے۔"[۴۷]

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے نزدیک اسلامی تصوف کا بنیادی مقصد صرف اور صرف خدمت خلق ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اللہ کا ولی بننے کا نسخہ بیان فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی ایسی بندگی بجالائے جو اس کے نزدیک تمام طاعتوں سے بہتر و افضل ہو، دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی طاعت ہے فرمایا! مظلوموں اور عاجزوں کی فریاد کو سننا، ضعیفوں اور بیماروں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔"[۴۸]

6. حکمرانوں سے لاتعلقی:

سلسلہ چشتیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا ہوا، ماسویٰ اللہ انہیں کوئی چیز پسند نہیں تھی۔ اس لیے وہ گوشہ نشینی اختیار کرتے اور حکومتی امور سے دور رہتے۔ حکمرانوں سے ملنا جلنا ناپسند فرماتے۔ ڈاکٹر سندھی کے مطابق:

''سلسلہ چشتیہ کے بزرگ، بادشاہوں کے درباروں سے دور رہے اور بادشاہوں کے درباروں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔''[۴۹]

چشتی صوفیاء کے نزدیک حکومت وقت سے تعلق رکھنا، روحانی موت کے مترادف تھا۔ اس لیے انہوں نے خود ہی طے کر لیا کہ حکمرانوں سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں:

''مشائخ چشت نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ وہ خود سیاسی معاملات میں قطعاً دخل نہیں دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عہد کر لیا تھا کہ وہ اپنی خانقاہوں کا پر سکون ماحول، شاہان وقت کو خراب نہ کرنے دیں گے۔''[۵۰]

گویا مشائخ چشت نہ تو حکمرانوں کے درباروں میں جاتے اور نہ ان کو اپنی خانقاہوں میں آنے دیتے۔ پروفیسر اویس لطیف عبداللہ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

دہلی کے تمام امیروں اور وزیروں کی ہمیشہ خواہش رہی کہ آپ کی صحبت میں رہیں مگر آپ ان کو سخت ناپسند فرماتے۔ انتہا یہ ہے کہ علائو الدین خلجی جیسا بادشاہ بھی آپ کی قدم بوسی کے لیے ترستا رہتا۔ آپ فرماتے جس طرح زمین و آسمان آپس میں نہیں مل سکتے اسی طرح ایک فقر اور بادشاہ میں بھی کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ جب بادشاہ کا اصرار بہت بڑھا اور قدم بوسی کے لیے عرضی بھجوائی تو آپ نے جواب میں لکھ بھیجا، فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں تو ایک سے داخل ہو گا تو میں دوسرے سے نکل جائوں گا۔ زیادہ تنگ کرے گا تو تیر املک چھوڑ دوں گا کیونکہ خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔[۵۱]

معلوم ہوا کہ مسلمان صوفیاء بالخصوص جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا حکومت میں کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ کس طرح مسلمان حکمران اسلام کی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں اور مادیت میں پھنستے جارہے ہیں۔ اسلام صرف اس لیے نہیں آیا کہ سلطنتیں قائم کی جائیں بلکہ اس لیے آیا تھا کہ انسان کو بلند کرے اور وہ اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت و فرمانبرداری میں مشغول رہے چونکہ ان حکمرانوں نے یہ تصور پس پشت ڈال دیا تھا اس لیے صوفیاء نے بھی حکومتوں اور حاکموں کو نظر انداز کر دیا تھا بلکہ انہیں حقارت سے دیکھتے تھے۔[۵۲]

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں نے اگرچہ امراء وحکام کے پاس جانے سے اجتناب کیا، لیکن پھر بھی امراء اور حکام ان کے پاس آتے تھے اور ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ وہ جب بھی فیض و برکت حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس آتے تھے تو وہ ان کو ہدایت اور نصیحت کرتے تھے، حق اور سچ بات منہ پر کہنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتے تھے۔ وہ ان کو

تاکید کرتے کہ خدا کی مخلوق کی خدمت کرو، ان کی مشکلات دور کرو، ان کے لیے آرام و آسائش کی سہولتیں مہیا کرو اور دین اسلام کی خدمت کرو۔

7. ترک دنیا:

سلسلہ چشتیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا سے دور رہتے ہیں تاکہ دل یاد خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ اسی لیے شیخ اپنے خلیفہ کی تکمیل تعلیم کے بعد جو سب سے اہم کام کرتا وہ اپنے خلیفہ کے دل کو مادی آلائشوں سے پاک و صاف کرتا تاکہ توکل و استغنا کی دولت سے وہ ایسا مالا مال ہو جائے کہ مادی دنیا کی کوئی کوشش ان کو اپنی طرف نہ کھینچ سکے۔ حضرت خواجہ عثمانی ہارونی فرماتے ہیں کہ:

> ”مرد وہ ہے جو دنیا کی طرف نگاہ نہ کرے نہ قریب پھٹکے جو کچھ ملے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور کچھ ذخیرہ نہ کرے۔“[۵۳]

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر دنیا کے متعلق فرماتے ہیں:

> ”فقراء کے لیے دنیا کی محبت زہر قاتل ہے۔ جس قدر دولت اور اس کے پرستاروں سے پرہیز کیا جائے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔ جس قدر دنیا بنانے کی محبت ہو گی اسی قدر نقصان ہو گا لہٰذا درویش کے دل میں دنیا بنانے کی ذرہ بھر محبت نہ ہو۔“[۵۴]

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

> ”تمام بدیاں ایک مکان میں جمع کر کے اس کی چابی دنیاوی محبت کو بنایا ہے اور تمام نیکیاں ایک مکان میں اکٹھی کر کے اس کی چابی دنیاوی ترک کو بنایا ہے۔"

مزید فرمایا

> "راہ سلوک میں درویش وہی کہلا سکتا ہے جس کے دل میں بار حق کے سوا اور کوئی خیال نہ آئے اور نہ کسی دوسری چیز میں مشغول ہو اور نہ ہی اہل دنیا سے ملاپ رکھے۔"[۵۵]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے فرمان پر اگر غور کریں تو ترک دنیا کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

> ”جو کبھی بھی کفاف یا خرچ لازمی سے زیادہ ہو، وہ صورت اور معنیٰ میں دنیا ہے۔ اطاعت خدا اخلاص کے ساتھ صورت اور معنیٰ میں دنیا نہیں ہے۔ ریاکاری کی عبادت جس سے فائدہ کی امید ہو، وہ صورت میں دنیا نہیں معلوم ہوتی لیکن معنیٰ اصل میں دنیا ہے۔ آخر میں وہ سب کام جو ایک

شخص اپنی بیوی اور گھر والوں کی روزی فراہم کرنے کے لیے کرتا ہے، تاکہ ان کا حق ادا کرے۔ یہ صورت میں دنیا معلوم ہوتی ہے لیکن معنیٰ میں دنیا نہیں ہے۔"[۵۶]

حضرت نظام الدین اولیاء نے ترک دنیا کی وضاحت کرتے ہوئے مزید فرمایا:

"ترک دنیا سے مراد یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ننگا رکھے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا اس بات کا نام ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی، لیکن جو کچھ اسے ملے اس کی طرف راغب نہ ہو اور نہ اس سے دل لگائے۔"[۵۷]

8. شریعت کی پابندی:

اس سلسلہ میں سب سے پہلے شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ سالک شریعت کی پابندی کے بعد ہی دوسرے مقام یعنی طریقت پر پہنچ سکتا ہے۔ طریقت کی راہ میں چلہ کشی، روزہ کی کثرت، تہجد کی پابندی، گفتگو، کھانے اور سونے کو کم کرنا، وضو کی پابندی، ترک غفلت لازمی باتیں ہیں۔ ان میں سالک کامل تب ہو سکتا ہے اگر شریعت کا پابند ہو۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

"شریعت پر چلنے والے ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور تمام فرمان بجالاتے ہیں۔ جب طریقت میں کامل ہو جاتے ہیں تو معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت و شناسائی کا مقام آجاتا ہے جب اس مقام میں ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔"[۵۸]

ڈاکٹر سندھی رقمطراز ہیں:

"چشتیہ سلسلہ کے تمام بزرگ شریعت کی پابندی کرتے تھے اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو بھی پابند شرع رہنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ ان کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے مریدوں اور معتقدوں کو اخلاق سنوارنے، شریعت کا پابند کرنے اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں زندگی گزارنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ان کی کوشش رہتی تھی کہ ان کے مرید اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی میں گزاریں۔"[۵۹]

9. اصلاح باطن:

سلسلہ چشتیہ میں زیادہ زور اصلاح باطن پر دیا جاتا ہے۔ سلوک و تصوف کا چونکہ تعلق اصلاح قلب و باطن سے ہے اس لیے اس میں اعمال و اخلاق کے فضائل و رذائل کی تربیت و اصلاح پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ مثلاً صبر و شکر، خوف و

رجاء، رضا و تسلیم و توکل، شوق و محبت اور صدق و اخلاص وغیرہ اور رذائل مثلاً کبر و جاہ، ریاء و نفاق، عجب و غرور، بغض و حسد، بخل و حرص اور حب مال و حب جاہ کی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرات صوفیاء کے ہاں سب سے زیادہ زور دل یا قلب و باطن ہی کی صفائی، ستھرائی، پاکیزگی و طہارت پر ہے۔ بلکہ اصطلاحاً تصوف نام ہی خصوصیت کے ساتھ قلب و باطن کی تطہیر و تزکیہ کا ہے۔"[۶۰]

10. طہارت نفس:

اس طریقہ میں طہارت نفس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ ملفوظات میں بھی جگہ جگہ طہارت نفس پر زور دیا گیا ہے اور مذموم عادات کو چھوڑنے کی تلقین کی گئی ہے اور خانقاہوں میں سالک کو بتایا جاتا ہے کہ تخریبی و تنقیدی کاموں میں الجھنے سے تعمیری و عملی صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ وہ حسد، تکبر، حبِ جاہ، غرور، وغیرہ سے دل کو صاف رکھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات میں ہے کہ ذوالنون مصری سے صوفی اور عارف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

> "صوفی اور عارف وہ ہیں جن کے دل کدورت بشریت سے آزاد ہوں۔ دنیا اور حب دنیا سے صاف ہوں۔ جب ان میں یہ اوصاف پائے جائیں گے تو وہ اعلیٰ درجہ پائیں گے تمام مخلوقات سے برگزیدہ کہلائیں گے۔ وہ غیر دوست سے دور بھاگیں گے پھر وہ مالک ہو جائیں گے نہ کہ مملوک۔"[۶۱]

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر فرماتے ہیں:

> "اس راہ (راہ سلوک) کا اصول دل کی صلاحیت ہے اور یہ صلاحیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب باطن تمام مذمات دنیاوی یعنی غل و عشق، حسد و تکبر اور حرص و بخل سے پاک کرے اور دل کو ان سے صاف کرے جو کام کی بات ہے اور درویشی کا جوہر بھی اس مقام پر ظاہر ہوتا ہے۔"[۶۲]

11. نفسیاتی بصیرت کی اعلیٰ استعداد:

سلسلہ چشتیہ کی ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ نفسیاتی بصیرت کی اعلیٰ استعداد ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل میں سلوک کا ایک معین نصاب ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں کوئی معین نصاب نہیں ہے بلکہ یہاں انفرادی طریق علاج سے اصلاح و تربیت کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں تک محرک کا تعلق ہے اس سلسلے میں عشق الٰہی (یحبھم ویحبونہ) کو سلوک کا محرک بنایا جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ میں آتش عشق ہی سارے رذائل کو راکھ کر دیتی بلکہ کل ماسویٰ اللہ کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور مطلوب حقیقی تک برق رفتاری سے رسائی عطا کرتی ہے۔[۶۳]

12. نسوانی تربیت کا اثر:

چشتیہ مکتبہ فکر کے بارے میں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ اکثر چشتیہ بزرگوں کی تربیت میں ان کی مائوں نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ جیسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، بابا صاحب جن کی والدہ ایک زہد و عبادت میں یکتا خاتون تھیں۔ چشتیہ تعلیمات کی مخصوص صلح جوئی کے رجحانات کی تشکیل میں یہ نسوانی عنصر بہت اہم عامل ہے۔[۶۴]

13. رواداری:

تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو حاصل ہے جس کی کئی وجوہات ہیں ان میں سے کچھ کا ذکر شیخ محمد اکرام نے کیا ہے:

> ”اور فی الواقع اس میں کئی خصوصیات ایسی تھیں جن کے لیے ہندوستانی حالات خاص طور پر ساز گار تھے۔ مثلاً موسیقی اور سماع کا رواج، ادبیت اور شعر و شاعری سے انس، ملائمت، غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری، جس نے اس کی مقبولیت و اشاعت میں بڑی مدد دی۔“[۶۵]

خصوصاً اس صورت حال میں جب وسط ایشیا سے آنے والے ترک حکمرانوں کے ساتھ یہاں پہنچنے والے مذہبی علماء ہندؤوں کو کافر اور مشرک سمجھتے اور انہیں واجب القتل قرار دیتے تھے۔[۶۶] اس کے برعکس چشتیہ بزرگوں کے دروازے تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے کھلے رہتے تھے۔ ان خصوصیات نے یہاں اس سلسلے کی مقبولیت اور اشاعت میں مدد دی۔

گزشتہ صفحات میں سلاسل تصوف کے مشہور سلسلہ چشتیہ کی سرگزشت اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے سلسلہ چشتیہ کے پیروئوں نے عالم اسلام اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت کی اور ہزاروں بندگان خدا کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر کے اسلام کا بول بالا کیا، وہ اپنے ارشادات عالیہ سے اپنے سامعین کے قلوب کو منور کرتے تھے اور ان کی فکر و نظر میں ایک عظیم روحانی و اخروی انقلاب برپا کر دیا کرتے تھے۔ صوفیاء کرام لوگوں کی اصلاح و تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے کیونکہ ان کے پیش نظر مقصد بڑا عظیم تھا اور وہ تھا تعلیمات اسلامیہ کی ترویج و اشاعت، اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ سلسلہ چشتیہ سے وابستہ

آج بھی برصغیر میں کئی ایسی خانقاہیں ہیں جہاں سے اشاعت اسلام اور اصلاح احوال کے حوالے سے نمایاں کوششیں ہو رہی ہیں۔

حوالہ جات

۱- نوٹ: مقالہ میں سن ہجری کو سن عیسوی میں تبدیل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے: لاہوری، ضیاء الدین: جواہر تقویم، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع اول، ۱۹۹۴ء

۲- خان آصف: اللہ کے سفیر، ص:۲۳۵-۲۳۸، بار ششم، لاہور، القریش پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

۳- نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج: اوّل، ص:۱۸۹، کراچی، احمد برادرز پرنٹر، ۱۹۸۳ء

۴- ہاشمی، حمید اللہ، شاہ: احوال و آثار حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، ص:۵۲، لاہور، تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ

۵- عبدالرحمن، چشتی، شیخ: مرآۃ الاسرار، ج:۱، ص:۳۶۴، لاہور، صوفی فاؤنڈیشن، ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ

نعمانی، اللہ دتہ: سیر الاقطاب، ص:۵۶، مطبع نامی منشی نول، کشور، (س۔ن۔)

نواب مرزا بیگ، آفتاب مرزا بیگ: تحفۃ الابرار، ص:۴۸، اشاعت دوم، مکتبہ نبویہ، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ

سیال، واحد بخش، کپتان: حیات و تعلیمات حضرت خواجہ غلام فرید، ص:۱۴۲-۱۴۳، اشاعت اوّل، لاہور، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، ۲۰۰۲ء

۶- راہی، احمد مصطفی صدیقی: خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، اشاعت اوّل، ص:۳۶، فیصل آباد، مکتبہ نوریہ رضویہ، ۲۰۰۳ء

۷- عذرا وقار: تصوف کی پنجابی روایت، ص:۴۲، لاہور، نگارشات، ۱۹۹۵ء

۸- قاضی جاوید: پنجاب کے صوفی دانشور، ص:۴۳، لاہور، نگارشات، ۱۹۸۶ء

۹- لطیف اللہ، پروفیسر: تصوف اور سریت، ص:۲۱۴، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۶ء

۱۰- Arberry, A.J: An Introduction to the History of Sufism, Longmans, Green and Co. New York. P. xi

۱۱- دہلوی، عبدالحق، محدث: اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، ص:۲۲، در مطبع مجتبائی، واقع دہلی، ۱۳۳۲ھ

۱۲- عظمت ناز: نور علی نور، ص:۱۹۴، لاہور، واصف علی واصف پبلشرز، ۲۰۰۵ء

۱۳- امیر حسن، علاء سنجری: فوائد الفوائد، ص:۳۵، لکھنو، در مطبع نامی منشی نول کشور، (س۔ن)

۱۴- عبدالمجید سندھی، میمن، ڈاکٹر: پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص:۲۲۳، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء

۱۵- کرمانی، محمد بن مبارک: سیر الاولیاء، ص:۵۵، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ

۱۶- تاریخ مشائخ چشت، ج: اوّل، ص:۲۰۳

۱۷- تصوف کی پنجابی روایت، ص:۴۴

۱۸- تاریخ مشائخ چشت، ج: اوّل، ص:۲۲۵

۱۹- ایضاً، ص:۲۲۷

۲۰- برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی، ص:۴۸۷، چوتھا ایڈیشن، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۴ء

۲۱- غوثی، محمد، شطاری، مانڈوی: گلزار ابرار، ص:۸۴، لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۳۹۵ھ

۲۲- سیر الاولیاء، ص:۲۴۶

۲۳- تاریخ مشائخ چشت، ج:۱، ص:۲۳۷

۲۴- نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج: پانچ، ص:۷۳-۲۷، اسلام آباد، دائرۃ المصنفین، ۱۹۸۲ء

۲۵- نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر: اسلامی ثقافت، ص:۶۳۵، لاہور، فیروز سنز (س۔ن)

۲۶- غوری، عبد الغفور: اسلام کی زندہ تحریک چشت، ص:۵۱، کراچی، مطبع بار گاہ (س۔ن)

۲۶- تاریخ مشائخ چشت، ج: اوّل، ص:۲۲۷

۲۸- مسعود، وحید احمد، پروفیسر: سیرت خواجہ معین الدین چشتی، ص:۴۸-۴۷، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء

۲۹- تصوف اور سریت، ص:215

۳۰- نور الحسن خان، سید، نواب: مجموعہ رسائل، ص:۱۳، مطبوعہ کان پور، ۱۹۱۳ء

۳۱- سیال، واحد بخش، کپتان: مقام گنج شکر، ص:۲۴، اشاعت دوم، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۰ء

۳۲- کریم الدین، مولوی: کریم اللغات، ص:۱۱۹، لاہور، در مطبع مفید عام، رونق انطباع یافت، ۱۹۱۳ء

۳۳- صدیقی، ظہیر احمد، ڈاکٹر: سماع و موسیقی تصوف میں، ص:۱، لاہور، تخلیقات، ۲۰۱۰ء

۳۴- حاکمی، اسماعیل، ڈاکٹر: سماع در تصوف، ص:۲، تہران، انتشارات دانش گاہ، ۱۳۷۳ھ

۳۵- العبادی، المرزدی، قطب الدین منصور بن اردشیر: مناقب الصوفیہ، ص:۱۰۰، تہران، ایران، انتشارات مولیٰ، ۱۴۰۳ھ

۳۶- کیانی، زین الدین: سیر عرفان دارالسلام، ص:۳۱۸، تہران، ایران، انتشارات اشرفی، ۱۳۶۶ھ

۳۷- محمد ریاض، ڈاکٹر: احوال و آثار واشعار میر سید علی ہمدانی، ص:۱۵-۱۶، طبع دوم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۹۱ء

۳۸- سیر الاولیاء، ص:۵۰۲

۳۹- فرخی، اسلم، ڈاکٹر؛ دبستان نظام، ص:۶۵، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۷ء

۴۰- گنج شکر، فرید الدین: فوائد السالکین (ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی) ص:۱۸-۱۷، مطبع مجتبائے وافع، دہلی، ۱۳۱۱ھ

۴۱- نظام الدین اولیاء: راحت القلوب (ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر) ص:۷۳، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۴ء

۴۲- ایضاً، ص:۴۷

۴۳- عبد المجید سندھی، میمن، ڈاکٹر: پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص:۲۵۴، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء

۴۴- پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص:۲۵۴

۴۵- تاریخ مشائخ چشت، ج: اوّل، ص:۳۲۳

۴۶- معین الدین چشتی،: انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی)، ص:۳۷، در مطبع حافظ حسن محمود واقع لکھنو (س۔ن)

۴۷- ناشر تقویٰ، ڈاکٹر: (مرتب) صوفیانہ ادبی روایت، مقالہ، تصوف اور انسانی ہمدردی، ڈاکٹر عزیز عباس، ص:۴۸، پٹیالہ، پبلیکیشن بیورو، پنجابی یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء

۴۸- سیر الاولیاء، ص:۵۶

۴۹- پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص:۲۷۱

۵۰- تاریخ مشائخ چشت، ج:اوّل، ص:۲۴۸

۵۱- عبداللہ، اویس لطیف، پروفیسر: روحانیت کے تاجدار، ص:۲۲۷، لاہور، دانش پبلیکیشنز (س۔ن)

۵۲- جامعی، نصیر احمد: بابا فرید گنج شکر، ص:۱۱۷، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز (س۔ن)

۵۳- انیس الارواح، ص:۳۱

۵۴- راحت القلوب، ص:۶۷

۵۵- محب اللہ، شیخ: مفتاح العاشقین (ملفوظات نصیر الدین محمود چراغ دہلی) ص:۳۵، ناشر نامعلوم

۵۶- محمد حبیب، پروفیسر: حضرت نظام الدین اولیاء حیات و تعلیمات، ص:۹۰، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۶ء

۵۷- فوائد الفواد، ج:۱، ص:۹

۵۸- بختیار کاکی، قطب الدین، خواجہ: دلیل العارفین (ملفوظات، حضرت خواجہ معین الدین چشتی) ص:۸، در مطبع نامی منشی نول (س،ن)

۵۹- پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص:۲۷۳

۶۰- ندوی، عبدالباری، مولانا: تجدید تصوف و سلوک، ص:۲۸۸، لاہور، المکتبۃ الاشرفیہ، ۱۹۴۹ء / ۱۳۶۸ھ

۶۱- دلیل العارفین، ص:۴۷

۶۲- راحت القلوب، ص:۶۶

۶۳- تصوف اور سریت، ص:۲۱۷

۶۴- تصوف کی پنجابی روایت، ص:۴۶

۶۵- محمد اکرام، شیخ: آب کوثر، اشاعت آٹھویں، ص:۲۵۲، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۹ء

۶۶- مبارک علی، ڈاکٹر: برصغیر میں مسلمان معاشرہ کا المیہ، ص:۳۸، لاہور، نگارشات، ۱۹۸۹ء